

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اشارات

توفیق الہی کے اعتماد پر تفہیم القرآن کا جو سلسلہ ان صفحات میں شروع کیا گیا ہے اس کی تکمیل کے بعد  
 ارادہ ہے کہ ایک مفصل مقدمہ بھی لکھا جائے جس میں ایک عام ناظر کی فروریات کو ملحوظ رکھ کر ان تمام امور کی  
 توضیح کر دی جائے جن کا جاننا قرآن مجید کو بھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اس دوران میں کہ یہ سوڈ  
 رسالہ میں شائع ہو رہا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ قرآن کے مبادی پر بھی مختصر اشارات ساتھ ساتھ  
 کیے جاتے رہیں تاکہ جو اصحاب اس سوڈ کو بغرض استفادہ دیکھ رہے ہوں ان کے لیے فہم قرآن کی راہ صاف  
 ہوتی رہے، اور ان سوالات کا جواب ساتھ ساتھ بتا جائے جو کلام اللہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے بالعموم  
 ناظرین کے ذہن میں کھٹکتے ہیں۔

عام طور پر ہم جن کتابوں کے پڑھنے کے عادی ہیں ان میں ایک متعین موضوع پر معلومات، خیالات اور  
 دلائل کو ایک خاص تصنیفی ترتیب کے ساتھ مسلسل بیان کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر جب ایک ایسا شخص جو قرآن سے ابھی  
 تک اجنبی رہا ہے پہلی مرتبہ اس کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ یہ توقع لیے ہوئے آگے بڑھتا ہے کہ کتاب  
 ہونے کی حیثیت سے اس میں بھی عام کتابوں کی طرح پہلے موضوع کا تعین ہوگا، پھر اصل مضمون کو ابواب و فصول  
 میں تقسیم کر کے ترتیباً ایک ایک مسئلہ پر بحث کی جائے گی اور اسی طرح زندگی کے ایک ایک شعبہ کو لے کر اس کے  
 متعلق بھی احکام و ہدایات سلسلہ وار درج ہوں گی۔ لیکن جب کتاب کھول کر مطالعہ شروع کرتا ہے تو یہاں

اسکے اپنی توقع کے بالکل خلاف ایک دوسرے ہی انداز بیان سے سابقہ پیش آتا ہے جس سے وہ اب تک بالکل نا آشنا تھا۔ یہاں وہ دیکھتا ہے کہ اعتقادی مسائل، اخلاقی ہدایات، شرعی احکام، دعوت، نصیحت، عبرت، تنقید، ملامت، تحریف، بشارت، تسلی، دلائل، شواہد، تاریخی قصے، ہنار کائنات کی طرف اشارے، بار بار ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں، ایک ہی مضمون مختلف طریقوں سے مختلف لفاظی میں دہرایا جا رہا ہے، ایک مضمون کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اچانک شروع ہو جاتا ہے بلکہ ایک مضمون کے پیچ میں دوسرا مضمون یکا یک آجاتا ہے، مخاطب اور مشکم بار بار بدلتے ہیں اور خطاب کا رخ رہ رہ کر مختلف سمتوں میں پھرتا ہے، بابوں اور فصلوں کی تقسیم کا کہیں نشان نہیں، تاریخ ہے تو تاریخ نگاری کے انداز میں نہیں، فلسفہ و ما بعد الطبیعیات ہے تو منطق و فلسفہ کی زبان میں نہیں، انسان اور موجودات عالم کا ذکر ہے تو تعلیم طبیعیات کے طریقہ پر نہیں، تمدن و سیاست اور معیشت و معاشرت کی گفتگو ہے تو علوم عمران کے طرز پر نہیں، قانونی احکام اور اصول قانون کا بیان ہے تو معتقوں کے ڈھنگ سے بالکل مختلف، اور اخلاق کی تعلیم ہے تو فلسفہ اخلاق کے سارے لٹریچر سے اس کا انداز جدا۔ یہ سب کچھ اپنے سابق کتابی تصور کے خلاف پا کر آدمی پریشان ہو جاتا ہے اور اسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ ایک غیر مرتب، غیر مربوط، منتشر کلام ہے جو اول سے لے کر آخر تک ہیشمار چھوٹے بڑے مختلف شذرات پر مشتمل ہے مگر مسلسل عبارت کی شکل میں لکھ دیا گیا ہے۔ مخالفانہ نقطہ نظر سے دیکھنے والا اسی پر طرح طرح کے اعتراضات کی بنا رکھ دیتا ہے۔ اور موافقانہ نقطہ نظر رکھنے والا کبھی معنی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے شکوک سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، کبھی اس ظاہری بے ترتیبی کی تاویل کر کے اپنے دل کو بھائیتا ہے، کبھی مصنوعی طریقہ سے ربط تلاش کر کے عجیب عجیب نتائج نکالتا ہے، اور کبھی ”نظریہ شذرات“ کو قبول کر لیتا ہے جس کی وجہ سے ہر آیت اپنے سیاق و سباق سے الگ ہو کر ایسی معنی آفرینیوں کی آماج گاہ بن جاتی ہے جو قائل کے منشا کے خلاف ہوتی ہیں۔

پھر ایک کتاب کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کو اس کا موضوع معلوم ہو، اس کے مقصد و مدعا اور اس کے مرکزی مضمون کا علم ہو، اس کے انداز بیان سے واقفیت ہو، اس کی اصطلاحی زبان اور اس کے مخصوص طرز تعبیر سے شناسائی ہو، اور اس کے بیانات اپنی ظاہری عبارت کے پیچھے جن احوال و معاملات سے تعلق رکھتے ہوں وہ بھی نظر کے سامنے رہیں۔ عام طور پر جو کتابیں ہم پڑھتے ہیں ان میں یہ چیزیں باسانی مل جاتی ہیں اس لیے ان کے مضامین کی تہہ تک پہنچنے میں ہمیں کوئی بڑی زحمت نہیں ہوتی۔ مگر قرآن میں یہ اس طرح نہیں ملتی جس طرح ہم دوسری کتابوں میں انھیں پانے کے عادی رہے ہیں۔ اس لیے ایک عام کتاب خواں کی ذہنیت سے جب ہم میں کا کوئی شخص قرآن کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو اسے کتاب کے موضوع، مدعا اور مرکزی مضمون کا سراغ نہیں ملتا، اس کا انداز بیان اور طرز تعبیر بھی اسے کچھ اجنبی سا محسوس ہوتا ہے، اور اکثر مقامات پر اس کی عبارات کا پس منظر بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متفرق آیات میں حکمت کے جو موتی بکھرے ہوئے ہیں ان سے کم و بیش مستفید ہونے کے باوجود آدمی کلام الہی کی اصلی روح تک پہنچنے سے محروم رہ جاتا ہے اور علم کتاب حاصل کرنے کے بجائے اس کو کتاب کے محض چپہ منتشر نکات و فوائد پر قناعت کر لینی پڑتی ہے۔ بلکہ اکثر لوگ جو قرآن کا مطالعہ کر کے شہادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کے بھٹکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فہم کتاب کے ان ضروری مبادی سے ناواقف رہتے ہوئے جب قرآن کو پڑھتے ہیں تو اس کے صفحات پر مختلف مضامین انھیں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، بجز آیت کا مطلب ان پر نہیں کھلتا، بہت سی آیات کو دیکھتے ہیں کہ بجائے خود فوہ حکمت سے جگمگا رہی ہیں مگر سیاق عبارت میں بالکل بے جوڑ محسوس ہوتی ہیں، متعدد مقامات پر تعبیرات اور اسلوب بیان کی ناواقفیت انھیں اصل مطلب سے ہٹا کر کسی اور ہی طرف لے جاتی ہے، اور اکثر مواقع پر پس منظر کا صحیح علم نہ ہونے سے شدید غلط فہمیاں پیش آتی ہیں۔

قرآن کس قسم کی کتاب ہے، اس کے نزول کی کیفیت اور اس کی ترتیب کی نوعیت کیا ہے، اس کا موضوع گفتگو کیا ہے، اس کی ساری بحث کس مدعا کے لیے ہے، کس مرکزی مضمون کے ساتھ اس کے یہ بے شمار مختلف النوع مضامین وابستہ ہیں، کیا طرز استدلال اور کیا طرز بیان اس نے اپنے مدعا کے لیے اختیار کیا ہے، یہ اور ایسے ہی دوسرے چند ضروری سوالات ہیں جن کا جواب صاف اور سیدھے طریقے سے اگر آدمی کو ابتدا ہی میں مل جائے تو وہ بہت سی خطرات سے بچ سکتا ہے اور اس کے لیے فہم و تدبر کی راہیں کشادہ ہو سکتی ہیں۔ عام لوگوں کی مقدرتگی یہ بات خارج ہے کہ وہ برسوں کے غائر مطالعہ اور تلاش و تجسس سے ان سوالات کا جواب خود حاصل کریں۔ دراصل یہ قرآن کے شارحین و مفسرین کا کام ہے کہ وہ اس کتاب پاک کا مطالعہ کرنے والوں کی مشکلات کو سمجھیں اور ان کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کریں۔ اب تک زیادہ تر توجہ یا تو ان لوگوں کے مقابلہ پر صرف کی گئی ہے جو قرآن کو مخالفانہ نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے شہادت و اعتراضات سے نوری حق کو بچھاننے کی کوشش کرتے ہیں، یا پھر ان لوگوں کی ضروریات کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو پہلے سے ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اب وہ لوگ ہماری توجہ کے زیادہ متحق ہیں جو کسی مخالفانہ جذبہ کے بغیر کھلے دل سے قرآن پڑھنے کے لیے تیار ہیں مگر اسے سمجھ کر ایمان اور علم حق کی روشنی حاصل کرنا چاہتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ انھیں بہت زیادہ علمی پیچیدگیوں اور محققانہ گہرائیوں کی حاجت نہیں، عام فہم طریقے سے چند مبادی ان کے ذہن نشین کر دینے کی ضرورت ہے تاکہ آگے چل کر انھیں قرآن کے مطالعہ میں کوئی الجھن پیش نہ آئے۔

جو شخص قرآن میں تصنیفی ترتیب تلاش کرتا ہے اور وہاں اسے نہ پا کر کتاب کے صفحات میں بھٹکنے لگتا ہے، اس کی پریشانی کی اہل وجہ وہی ابتدائی غلط فہمی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس نے اس گمان کے ساتھ مطالعہ شروع کیا کہ وہ مذہب کے موضوع پر ایک کتاب پڑھنے چلا ہے۔ مذہب کا موضوع اور کتاب، ان دونوں کا تصور اس کے ذہن میں وہی تھا جو بالعموم مذہب اور کتاب کے متعلق ذہنوں میں ہوتا ہے۔ مگر جب

دہاں ہا سے اپنے ذہنی تصور سے بالکل ہی مختلف ایک چیز سے سابقہ پڑا تو وہ اپنے آپ کو اس سے مانوس نہ کر سکا اور سرشارتہ مضمون ہاتھ نہ آنے کے باعث اس نے مین اسطور یوں بھٹکنا شروع کر دیا جیسے وہ ایک گہنی مسافر ہے جو کسی نئے شہر کی گلیوں میں کھو گیا ہے۔ اس گم گشتگی سے بچانے کے لیے اسے پہلے ہی یہ بتا دینا چاہیے کہ تم جس کتاب کو پڑھنے جا رہے ہو وہ تمام دنیا کے لٹریچر میں اپنے طرز کی ایک ہی کتاب ہے، اس کی تصنیف "دنیا کی ساری کتابوں سے بالکل مختلف طور پر ہوئی ہے، اپنے موضوع اور مضمون اور ترتیب کے لحاظ سے بھی یہ ایک نرالی چیز ہے، لہذا تمہارے ذہن کا وہ کتابی سا پنچہ جو اب تک کی کتب مینی سے بنا ہے، اس کتاب کے سمجھنے میں تمہاری مدد نہ کرے گا بلکہ اٹا مزاجم ہوگا اسے سمجھنا چاہتے ہو تو اپنے پہلے سے قائم کیے ہوئے قیاسات کو ذہن سے نکال کر اس کی عجیب خصوصیات سے شناسائی حاصل کرو۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ناظر کو قرآن کی اہل سے واقف ہو جانا چاہیے۔ وہ خواہ اس پر ایمان لائے یا نہ لائے، مگر اس کتاب کو سمجھنے کے لیے اسے نقطہ آغاز کے طور پر اس کی وہی اہل قبول کرنی ہوگی جو خود اس نے اور اس کے پیش کرنے والے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے:

اللہ عزوجل نے، جو کائنات کا خالق اور مالک فرمانروا ہے، اپنی بے پایاں مملکت کے اس حصہ میں جسے زمین کہتے ہیں، انسان کو پیدا کیا، اُسے جانتے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں، فخر اور تقویٰ کی تمیز دی، انتخاب اور ارادے کی آزادی دی، تصرف کے اختیارات بخشے، اور فی الجملہ ایک طرح کی خود اختیاری (اہل انونی) دے کر اسے زمین میں خلیفہ بنایا۔ اس تقریر کے ساتھ ہی اللہ نے انسان کو آگاہ کر دیا کہ تمہارا اور تمام جہان کا مالک، مجبور اور حاکم میں ہوں، میری اس سلطنت میں نہ تم خود مختار ہو، نہ کسی دوسرے کے بند ہو، اور نہ میرے سوا کوئی تمہاری اطاعت و بندگی اور پرستش کا مستحق ہے، دنیا کی زندگی جس میں تمہیں اختیار دے کر بھیجا جا رہا ہے دراصل تمہارے لیے ایک امتحان کی مدت ہے جس کے بعد تمہیں میرے پاس واپس

آنا ہوگا اور میں تمہارے کام کی جانچ کر کے فیصلہ کروں گا کہ تم میں سے کون امتحان میں کامیاب رہے اور کون ناکام، تمہارے لیے صحیح روٹیہ یہ ہے کہ مجھے اپنا واحد رب اور الہ تسلیم کرو، جو ہدایت میں مجھوں اس کے مطابق دنیا میں کام کرو، اور دنیا کو دارالامتحان سمجھتے ہوئے اس شعور کے ساتھ زندگی بسر کرو کہ تمہارا اصل مقصد میرے آخری فیصلہ میں کامیاب ہونا ہے، اس کے برعکس تمہارے لیے ہر وہ روٹیہ غلط ہے جو اس سے مختلف ہو، اگر پہلا روٹیہ اختیار کر گئے (جسے اختیار کرنے کے لیے تم آزاد ہو) تو تمہیں دنیا میں امن و اطمینان حاصل ہوگا اور جب میرے پاس پلٹ کر آؤ گے تو میں تمہیں ابدی راحت و مسرت کا وہ گھر دوں گا جس کا نام جنت ہے، اور اگر دوسرے کسی روٹیہ پر چلو گے جس پر چلنے کے لیے بھی تم کو آزادی ہے، تو دنیا میں تم کو فساد اور بے چینی کا مزہ چکھنا ہوگا اور دنیا سے گذر کر علم آخرت میں جب آؤ گے تو ابدی رنج و مصیبت کے اس گڑھے میں پھینک دیے جاؤ گے جس کا نام دوزخ ہے۔ یہ فہمائش کہ اللہ نے نوع انسانی کو زمین میں جگہ دی اور انسان اول کو وہ ہدایت بھی دیدی جس کے مطابق اس نوع کو زمین میں کام کرنا چاہیے تھا۔ مگر رفتہ رفتہ انسان اس ہدایت سے منحرف ہو گئے، صحیح روٹیہ کو چھوڑ کر غلط روٹیوں پر چل پڑے، یہاں تک کہ جو ہدایت دی گئی تھی اُسے بھی انھوں نے یا تو اپنی غفلت و بے پروائی سے گم کر دیا یا شرارت سے مسخ کر کے اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال دیا۔ اس کے بعد اللہ مختلف قوموں اور ملکوں میں بار بار اپنے پیغمبر بھیجتا رہا جن کا کام یہ تھا کہ صحیح روٹیہ کی طرف انسانوں کو دعوت دیں جس ہدایت کو انسانوں نے گم یا مسخ کر دیا ہے اُسے پھر اصلی صورت میں پیش کریں، اور انسانوں میں سے جو لوگ اس دعوت کو قبول کر کے خدائی ہدایت کی پیروی کرنے کے لیے تیار ہوں انھیں منظم کر کے ایسی امت بنائیں جو خود اللہ کے قانون کی پابند ہو اور دنیا میں قانون الہی کی اطاعت قائم کرنے اور اس قانون کی خلاف ورزی بند کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔ یہ پیغمبر ہزار ہا برس تک دنیا میں آتے رہے، وہی ایک دعوت اور وہی ایک ہدایت پیش کرتے رہے اور اگر انسانوں کے کسی گروہ نے ان کی دعوت قبول کی تو خدا کے مطیع فرمان (مسلم) بندوں کی وہی ایک امت بناتے رہے۔ مگر پیشہ ہی ہوتا رہا کہ انسانوں کی ایک کثیر تعداد نے تو اس دعوت کو قبول ہی نہ کیا اور جنہوں نے

قبول کر کے امت مسلمہ کی حیثیت اختیار کی وہ رفتہ رفتہ خود بگڑتے چلے گئے حتیٰ کہ ان میں سے بعض امتیں ہدایت الہی کو بالکل ہی گم کر بیٹھیں، اور بعض نے خدا کے ارشادات کو اپنی تحریفات اور آمیزشوں سے مسخ کر دیا۔ آخر کا اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کام کے لیے مبعوث کیا جس کے لیے پچھلے انبیاء آتے رہے تھے۔ عام انسان اور پچھلے انبیاء کی بگڑی ہوئی امتیں اس بات کے مخاطب تھے، سب کو صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا، سب کو از سر نو خدا کی ہدایت پہنچا دینا اور جو اس دعوت ہدایت کو قبول کریں انہیں ایک ایسی امت بنا دینا ان کا کام تھا جو ایک طرف خود اپنی زندگی کا نظام خدا کی ہدایت پر قائم کرے اور دوسری طرف دنیا کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرے۔ اسی دعوت اور ہدایت کی کتاب یہ قرآن ہے جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور اس کتاب کے لیے اس نے ایسا انتظام کر دیا کہ نہ بیگم ہو سکتی ہے اور نہ مسخ کی جا سکتی ہے۔

قرآن کی اصل معلوم ہو جانے کے بعد ناظرین کے لیے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس کتاب کا موضوع کیا ہے، اس کا مرکزی مضمون کیا ہے، اور اس کا مدعا کیا ہے۔

اس کا موضوع انسان ہے اس اعتبار سے کہ لحاظ حقیقت نفس لامری اس کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز میں ہے۔

اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بینی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے سبب انسان خدا اور نظام کائنات اور اپنی ہستی اور حیات دنیوی کے مال و انجام کے متعلق جو نظریات قائم کیے ہیں اور ان کی بنا پر جو رویتے اختیار کیے ہیں وہ سب حقیقت نفس لامری کے لحاظ سے غلط اور نتیجہ کے اعتبار سے خود انسان ہی کے لیے تباہ کن ہیں حقیقت وہ ہے جو انسان کو خلیفہ بناتے وقت خدا نے خود بتا دی تھی۔ اور اس حقیقت کے لحاظ سے انسان کے لیے وہی رویہ درست اور خوش انجام ہے جسے اوپر صحیح رویہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لہٰذا اگرچہ مخاطب جن بھی ہیں مگر وہ بالیقین مخاطب ہیں۔ اہل مخاطب انسان ہی ہے۔

اس کا مدعا انسان کو صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا اور اللہ کی اُس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور اپنی شرارت سے منحرف کرتا رہا ہے۔

ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو اُسے صاف نظر آئے گا کہ یہ کتاب کہیں اپنے خود سے بال برابر بھی نہیں ہٹی ہے۔ اول سے لے کر آخر تک اس کے مختلف النوع مضامین اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے ایک ہار کے چھوٹے بڑے رنگ بزرگ جو اہر ہار کے رشتے میں مربوط و منسلک ہوتے ہیں۔ وہ زمین و آسمان کی ساخت، انسان کی خلقت، آثار و کائنات کے مشاہدات، گذری ہوئی قوموں کے واقعات، مختلف قوموں کے عقائد و اخلاق اور اعمال پر تنقید، مابعد طبیعی امور و مسائل کی تشریح، اور بہت سی دوسری چیزوں کا ذکر کرتا ہے مگر اس نے نہیں کہ اسے طبیعیات یا تاریخ یا فلسفہ یا کسی اور فن کی تعلیم دینی ہے بلکہ اس لیے کہ اسے حقیقت نفس الامری کے متعلق مختلف انسانی گروہوں کے تصورات کی تردید کر کے اصل حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرنی ہے، اور خلاف حقیقت رویہ کی غلطی و بد انجامی واضح کر کے اُس رویہ کی طرف دعوت دینی ہے جو مطابق حقیقت اور خوش انجام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز کا ذکر صرف اُس حد تک در اس انداز میں کرتا ہے جو اس کے مدعا کے لیے ضروری ہے، ہمیشہ ان چیزوں کا ذکر بقدر ضرورت کرنے کے بعد غیر متعلق تفصیلات کو چھوڑ کر اپنے مقصد اور مرکزی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اس کا سارا بیان انتہائی یکسانی کے ساتھ دعوت کے محور پر گھومتا رہتا ہے۔

مگر قرآن کے طرز بیان اور اس کی ترتیب و اس کے بہتے مضامین کو آدمی اس وقت تک اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ اس کی کیفیت نزول کو اچھی طرح نہ سمجھ لے۔

یہ قرآن اس نوعیت کی کتاب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت اسے لکھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ اسے شائع کر کے لوگوں کو ایک خاص رویہ زندگی کی طرف بلائیں۔ نیز یہ اس نوعیت کی کتاب بھی نہیں ہے کہ اس میں تجریدی (Abstract) طریقہ پر موضوع اور مرکزی مضمون کے متعلق بحث کی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں نہ تصنیفی



ترتیب پائی جاتی ہے اور نہ کتابی اسلوب۔ دراصل اس کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو پیغمبری کی خدمت کے لیے منتخب کیا اور اسے حکم دیا کہ اپنے شہر اور اپنے قبیلہ سے دعوت کی ابتدا کرے۔ یہ کام شروع کرنے کے لیے آغاز میں جن ہدایات کی ضرورت تھی صرف وہی دی گئیں اور وہ زیادہ ترین مضمونوں پر مشتمل تھیں؛ ایک پیغمبر کو اس امر کی تعلیم کہ بیخود اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کے لیے کس طرح تیار کریں اور کس طرز پر کام کریں۔ دوسرے، حقیقت نفس لامری کے متعلق ابتدائی معلومات اور حقیقت کے بارے میں ان غلط فہمیوں کی مہل تردید جو گرد و پیش کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں، جن کی وجہ سے ان کا رویہ غلط ہو رہا تھا تیسرے، صحیح رویہ کی طرف دعوت اور ہدایت الہی کے ان بنیادی اصول اخلاق کا بیان جن کی پیروی میں انسان کے لیے فلاح و سعادت ہے۔ شروع شروع کے یہ مینامات ابتدائی دعوت کی مناسبت بہت چھوٹے چھوٹے مختصر بولوں پر مشتمل تھے جن کی زبان نہایت شستہ نہایت شیریں، نہایت پُر اثر اور مخاطب قوم کے مذاق کے مطابق بہترین ادبی رنگ لیے ہوئے تھی تاکہ دلوں میں یہ بول تیر و نشتر کی طرح پیوست ہو جائیں، کان خود بخود ان کے ترنم کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوں، اور زبانیں ان کے جن مناسب کی وجہ سے بے اختیار ہو کر انھیں دہرانے لگیں۔ پھر ان میں مقامی رنگ بہت زیادہ تھا۔ اگرچہ میان تو کی جا رہی تھیں عالمگیر صداقتیں مگر ان کے لیے دلائل و ثبوت اور مثالیں اُس قریب ترین ماحول سے لی جاتی تھیں جس سے مخاطب لوگ اچھی طرح مانوس تھے۔ انہی کی تاریخ، انہی کی روایات، انہی کے روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے آقا انہی کی اعتقادی اور اجتماعی و اخلاقی خرابیوں پر ساری گفتگو تھی تاکہ وہ اس سے اثر لے سکیں۔

یہ دعوت جو ابتدائی مرحلہ میں دی گئی تھی اس کا رد عمل تین صورتوں میں ظاہر ہوا۔ (۱) چند صالح آدمی اس دعوت کو قبول کر کے امت مسلمہ بننے کے لیے تیار ہو گئے۔ (۲) ایک کثیر تعداد جہالت یا خود غرضی یا آبائی طریقہ کی محبت کے سبب مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔ (۳) مکہ اور قریش کی حدود سے نکل کر اس نئی دعوت کی آواز نسبتاً زیادہ وسیع حلقہ میں پہنچنے لگی۔ یہاں سے اس دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

اس مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو نہایت پرجوش خطبوں کی شکل میں پیغامات بھیجے شروع کیے جن میں دریا کی سی روانی، سیلاب کی سی قوت و تیز و زندگ کی سی تاثیر تھی۔ ان خطبوں میں ایک طرف ہل بیان کو ان کے ابتدائی فرائض بتائے گئے، ان کے اندر جماعتی شعور پیدا کیا گیا، انھیں تقویٰ اور فضیلتِ خلاق اور پاکیزگی سیرت کی تعلیم دی گئی، ان کو دین حق کی تبلیغ کے طریقے بتائے گئے، کامیابی کے وعدوں و جنت کی بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی گئی، انھیں صبر و ثبات اور بلند وصلگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے پر ابھارا گیا اور فداکاری کا ایسا شدید جوش و ولولہ ان میں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر مصیبت جھیل جانے اور مخالفت کے بڑے سے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ دوسری طرف مخالفین اور راہِ راست سے موڑنے والے اور غفلت کی نیند سونے والے لوگوں کو پھیلی قوموں کے انجام سے ڈرایا گیا جن کی تاریخ سے وہ خود واقف تھے، تباہ شدہ ہستیوں کے آثار سے عبرت لائی گئی جن کے کھنڈروں پہ سے شبِ روز اپنے سفروں میں ان کا گذر ہوا تھا، آثارِ کائنات اور خود ان کی اپنی ہستی سے ان کے نظریات و عقائد کی غلطی اور توحید و معاد اور حسابِ آخرت کی صداقت انھیں سمجھائی گئی، خدا کے غضب اور قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذابِ خوف لایا گیا، برے اخلاق اور غلط طرز زندگی پر انھیں ملامت کی گئی اور تہمتیں اللہ کی ہدایت اور صحیح رویہ زندگی کو زیادہ تفصیلی صورت میں ان کے سامنے پیش کر کے قبولِ حق کی دعوت دی گئی۔

یہ مرحلہ بجائے خود مختلف منزلوں پر مشتمل تھا جن میں سے ہر منزل میں دعوت زیادہ وسیع ہوتی گئی، جدوجہد اور مزاحمت زیادہ سخت ہوتی گئی، مختلف عقائد اور مختلف طرز عمل رکھنے والے گروہوں سے سابقہ پیش آتا گیا، اور اسی کے مطابق اللہ کی طرف سے آنے والے پیغامات میں مضامین کا تنوع بڑھتا گیا۔

اس کے بعد یہ دعوت تیسرے مرحلے میں داخل ہوئی جس کا آغاز ہجرت ہوا۔ اس مرحلے میں حالات کا نقشہ بالکل بدل گیا۔ امت مسلمہ ایک باقاعدہ ریاست کی بنا ڈالنے میں کامیاب ہو گئی۔ پرانی جاہلیت کے علمبراروں سے جنگ کی نوبت آئی پھیلے

انبیاء کی امتوں سے سابقہ پیش آیا۔ خود امت مسلمہ کے اندرونی نظام میں مختلف قسم کے منافق گھس آئے اور ان سے بھی بھگتنا پڑا اور کئی سال کی شدید کشمکش سے گذر کر آخر کار یہ امت کامیابی کی اس منزل پر پہنچی کہ سارا عرب اس کے زیر نگیں ہو گیا اور عالمگیر دعوت و اصلاح کے دروازے اس کے سامنے کھل گئے۔ اس مرحلہ کی بھی مختلف منزلیں تھیں۔ ہر منزل میں اس کی مخصوص ضرورتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے پیغامات آئے جن کا انداز کبھی آشیر و مابست، کبھی شاہانہ فرامین و احکام کا، کبھی معلمانہ درس و تعلیم کا، اور کبھی مصلحانہ انہام و تہذیب کا ہوتا تھا۔ ان میں نبی کو بتایا گیا کہ وہ جماعت اور ریاست اور مدنیت صالحہ کی تعمیر کس طرح کریں، زندگی کے مختلف شعبوں کو کن اصول و ضوابط پر قائم کریں، منافقین اور اہل کتاب و بربر و جنگیاب و برسر مسالمت کافروں کے ساتھ ان کی مختلف حالتوں کے لحاظ سے کیا معاملہ کریں، اور ایک طرف عالمگیر دعوت و اصلاح کی، دوسری طرف جماعت مسلمین کے سردار کی، اور تیسری طرف زمین حکومت کی مختلف حیثیتوں میں بیک وقت کس طرح کام کریں۔ مسلمانوں کو زندگی کے مختلف معاملات و احوال میں صحیح طرز عمل کی سلی ہدایت دی گئی، ان کی کمزوریوں پر تہذیب کی گئی، ان کو راہِ خدا میں جان و مال سے جہاد کرنے پر ابھارا گیا، ان کو تنگست اور غم، مصیبت و رراحت، بد حالی اور خوش حالی، امن اور خوف، غرض ہر حال میں اس کے مناسب اخلاقیات کی تعلیم دی گئی، اور انھیں ناطق تیار کیا گیا کہ وہ نبی کے بعد ان کے جانشین بن کر اس دعوت و اصلاح کے کام کو انجام دے سکیں۔ دائرہ فرمان سے باہر جو لوگ تھے، اہل کتاب، منافق، کفار و مشرکین، ان سب کو ان کی مختلف حالتوں کے لحاظ سے سمجھانے، نرمی سے دعوت دینے، سختی سے طاعت و نصیحت کرنے، خدا کے عذاب سے ڈرانے اور بقیہ آموز و اوقات احوال سے عبرت لانے کی کوشش کی گئی تاکہ ان پر حجت تمام کر دی جائے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن ایک دعوت کے ساتھ اترنا شروع ہوا، اور وہ دعوت اپنے آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تکمیل تک ۲۳ سال کی مدت میں جن جن مرحلوں اور جن جن منزلوں سے گذرتی رہی ان کی مختلف النوع ضرورتوں کے مطابق قرآن کے مختلف حصے نازل ہوتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی کتاب میں

تصنیفی ترتیب نہیں ہو سکتی۔ پھر اس دعوت کے ارتقار کے ساتھ ساتھ قرآن کے جو چھوٹے اور بڑے حصے نازل ہوئے وہ بھی رسالوں کی شکل میں شائع نہیں کیے جاتے تھے بلکہ تقریروں کی شکل میں بیان کیے جاتے اور اسی شکل میں پھیلائے جاتے تھے، اس لیے ان کا اسلوب بھی تحریری نہ تھا بلکہ خطابت کا اسلوب تھا۔ پھر یہ خطابت بھی ایک پروفیسر کے لکچروں کی سی نہیں بلکہ ایک داعی کے خطبوں کی سی تھی جسے دل اور دماغ، عقل اور جذبات ہر ایک سے اپیل کرنا ہوتا ہے۔ ہر قسم کی ذہنیاتوں سے سابقہ پیش آتا ہے، اپنی دعوت و تبلیغ اور علیٰ تحریک کے سلسلے میں بے شمار مختلف حالتوں میں کام کرنا پڑتا ہے، بہر ممکن پہلو سے اپنی باتوں میں بٹھانا، خیالات کی دنیا بدلنا، جذبات کا سیلاب ٹھانا، مخالفتوں کا زور توڑنا، ساتھیوں کی اصلاح و تربیت کرنا اور ان میں جوش و خرم پیدا کرنا، دشمنوں کو دوست اور منکروں کو معترف بنانا، مخالفین کی حجت منقطع کرنا اور ان کی اخلاقی طاقت کا استیصال کر دینا، غرض وہ سب کچھ کرنا ہوتا ہے جو ایک دعوت کے علمبردار اور ایک تحریک کے لیڈر کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے اللہ نے اپنے پیغمبر پر جو بیانات القا کیے ان کا طرز خطابت ہی تھا جو ایک دعوت کے مناسب حال ہوتا ہے، ان میں یونیورسٹی کے لکچر کا سا انداز تلاش کرنا صحیح نہیں ہو۔

یہیں سے یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ قرآن میں مضامین کی بکثرت تکرار کیوں ہے۔ ایک دعوت اور علیٰ تحریک کا فطری اقتضایہ ہے کہ وہ جن وقت جس مرحلے میں ہو اس میں وہی باتیں کہی جائیں جو اس مرحلے سے مناسبت رکھتی ہوں، اور جب تک دعوت ایک مرحلے میں رہے بعد کے مراحل کی بات نہ چھیڑی جائے بلکہ اسی مرحلے کی باتوں کا اعادہ کیا جاتا ہے، خواہ اس میں چند مہینے لگیں یا کئی سال عرف ہو جائیں۔ پھر اگر ایک ہی قسم کی باتوں کا اعادہ ایک ہی عبارت اور ایک ہی ڈھنگ پر کیا جائے تو کان انھیں سنتے سنتے تھک جائیں اور بیعتیں اُتارنے لگیں۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر مہینے میں جو باتیں بار بار کہنی ہوں انھیں ہر بار نئے الفاظ، نئے اسلوب، اور نئی آن بان سے کہا جائے تاکہ نہایت خوشگوار طریقہ سے وہ دلوں میں بیٹھ جائیں اور دعوت کی ایک ایک منزل اس طریقہ سے مستحکم ہوتی چلی جائے اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دعوت کی اساس جن چیزوں پر ہو انھیں پہلے قدم سے آخری منزل تک کسی وقت اور کسی حال میں نظر نہ

سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے بلکہ ان کا اعادہ بہر حال دعوت کے ہر مرحلے میں ہوتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دعوتِ اسلامی کے ایک مرحلے میں قرآن کی جتنی سورتیں نازل ہوئی ہیں ان سب میں بالعموم ایک ہی قسم کے مضامین الفاظ اور انداز بیان بدنزل آئے ہیں۔ مگر توحید اور صفاتِ نبوی، آخرت اور حسابِ مکافات، رسالت و ایمان بالکتاب، تقویٰ اور صبرِ توکل اور اسی قسم کے دوسرے بنیادی مضامین کی تکرار پورے قرآن میں نظر آتی ہے کیونکہ اس تحریک کے کسی مرحلے میں بھی ان سے ذہول گوارا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ بنیادی تصورات اگر کہیں ذرا بھی کمزور ہوجاتے تو تحریک اپنی صحیح روح کے ساتھ نہ چل سکتی۔

اگر غور کیا جائے تو اسی بیان سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو اسی ترتیب کے

ساتھ کیوں نہ ترتیب کر دیا جس ترتیب سے وہ نازل ہوا تھا۔ اوپر آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کا نزول اُس ترتیب سے ہوا تھا جس ترتیب سے دعوت کا آغاز اور اس کا ارتقار ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ دعوت تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد وہ ترتیب کسی طرح درست نہ ہوتی

تھی جو صورت ارتقار دعوت ہی کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی۔ ان پیغامات کو مستقل کتاب کی صورت میں مرتب کرنے

کے لیے ایک دوسری ترتیب درکار تھی جو تکمیل دعوت کے بعد کی صورت حال کے لیے زیادہ مناسب ہو۔ ابتدا میں

اس دعوت کے مخاطب اول وہ لوگ تھے جو اسلام سے نا آشنائے شخص تھے اور وہاں بالکل ابتدا سے کام کرنا تھا مگر

تکمیل دعوت کے بعد اس کے مخاطب اول وہ لوگ ہو گئے جو اس پر ایمان لاکر ایک امت بن چکے تھے اور اُس کام کو چاہی

رکھنے کے ذمہ دار قرار پائے تھے جسے پیغمبر نے تمام نظری اور عملی حیثیات سے مکمل کر کے اُن کے سپرد کیا تھا۔ اب ضرورت

تھی کہ پہلے وہ خود اپنے فرائض سے، اپنے قوانین حیات سے، اور اُن فتنوں سے جو پیغمبروں کی امتوں میں رونما

ہوتے رہے ہیں، اچھی طرح واقف اور خبردار ہو جائیں، پھر اسلام سے بیگانہ دنیا کے سامنے خدا کی ہدایت اور اس کے

راستہ کی طرف دعوت کو لے کر آگے بڑھیں۔ یہی حکمت قرآن کی موجودہ ترتیب میں ملحوظ ہے جو یقیناً نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کی ایجاد نہیں بلکہ اسی خدا کے حکم سے دی گئی ہے جس نے قرآن نازل کیا ہے۔